ڈاکٹر محمد شہباز منج*

دنیائے اسلام پر استشراقی اثرات - ایک جائزہ (۱)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مستشرقین نے بالعموم اسلام کا معروضی مطالعہ پیش نہیں کیا۔ وہ اپنے مخصوص مقاصد کے لیے اسلام کی غیر حقیقی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ اسلام کو لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ ان کو کوئی غیر معمولی اور خاص وقعت کی چیز محسوس نہ ہو بلکہ اس کے برعکس انسانی ترقی وتمدن کی راہ میں مزاحم دکھائی دے۔ اس سلسلے میں وہ کئی جہتوں میں کام کرتے اور مختلف نتائج سامنے لاتے ہیں۔ عالم اسلام کے تناظر میں دیکھیں تو ان کی کوشش کا اہم مقصود مسلمانوں کو اپنے دین سے متعلق متشکک ومتردد بنانا، اسلامی اقدار وتہذیب کو مغربی اقدار وتہذیب کے مقابلے میں کم تر ثابت کرنا اور انہیں یہ باور کرانا ہے کہ وہ مغربی تہذیب واقدار سے بیگانہ اور روایتی اسلام سے، جس میں دقیانوسیت اور بہت سے نقائص ہیں، چمٹے رہ کر دنیا میں ترقی و عروج حاصل نہیں کر سکتے۔ اس مقالہ میں ہمارے پیش نگاہ مذکورہ مقصد کے حوالے سے مستشرقین کی کاوشوں اور ان کے نتائج کا مطالعہ ہے۔

استشراقی مساعی کی نوعیتیں:

موضوع زیر بحث کے حوالے سے مستشرقین کی کوششیں کئی نوعیت کی ہیں۔ کبھی وہ اسلام سے متعلق ایسا مواد فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اہل اسلام میں روایتی اسلامی عقائد وتصورات سے متعلق شکوک وشبہات اور بیزاری و نفرت پیدا کرے، کبھی وہ تجدد کی طرف بلاتے اور جدید تصورات ونظریات اپنانے کو مسلمانوں کی ترقی وکامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور کبھی اسلامی تہذیب وتاریخ کی تحقیر کرتے ہیں۔ سطور ذیل میں مستشرقین کی ان مساعی کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

اساسی اسلامی عقائد پر نقد:

مستشرقین اسلام کے اساسی عقائد وتصورات کو جدید افکار ونظریات کے تناظر میں اس طرح سے ہدف تنقید بناتے

*لیکچرر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔ drshahbazuos@hotmail.com

اور ایسے نتائج سامنے لاتے ہیں کہ سطحی دینی علم کے حامل مسلمان ان عقائد وتصورات سے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات اور تحفظات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وہ وحی پر کلام کرتے ہوئے کبھی اسے عقل و تجربے کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۱] کبھی اس کی محض اسی صورت کو قابل قبول گردانتے ہیں جس میں کوئی چیز عقل سے ماورانہ ہو۔[۲] کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی تعبیر (نعوذ باللہ) مرگی کے دوروں سے کرتے ہیں[۳] اور کبھی اسے آپؐ کے زمانے کے حالات کے فطری ردعمل اور آپ کی داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے خارج سے نزول کی نفی کرتے ہیں۔[۴] معجزات پر بحث کرتے ہوئے انہیں قدیم غیر متمدن قوموں کی جہالت ووہم پرستی اور لاعلمی سے تعبیر کرتے،[۵] انہیں خلاف قانون قدرت،[۶] ناممکن الوقوع[۷] اور سائنسی نقطہ نظر سے غلط بتاتے،[۸] اور بائبل[۹] اور قرآن[۱۰] میں معجزات کے مذکور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اسے حضورؐ کا اپنا کلام کہتے،[۱۱] قصص قرآنی کو بائبل کی روایات پر منحصر قرار دیتے،[۱۲] قرآن کو حضورؐ کے الہامات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھیوں کے جمع کردہ[۱۳] نامکمل مواد[۱۴] کا نام دیتے، ناسخ ومنسوخ پر معترض ہوتے[۱۵] اور اعجاز القرآن کا انکار کرتے ہیں۔[۱۶]

حدیث پر تنقید کرتے ہوئے ذخیرۂ احادیث کو جعلی وفرضی اور پیغمبر اسلام اور آپؐ کے عہد سے متعلق معلومات کا ناقابل اعتبار ماخذ قرار دیتے ہیں۔[۱۷] سیرت طیبہ پر لکھتے ہوئے حضورؐ کے اخلاق وکردار کو ہدف تنقید بناتے،[۱۸] آپؐ کے پیغام کی بسرعت اشاعت اور آپؐ کی غیر معمولی کامیابیوں کو اللہ کی مدد اور آپ کی حقانیت پر محمول کرنے کی بجائے وقت کا تقاضا اور حالات کی سازگاری کا نتیجہ قرار دیتے،[۱۹] تعدد ازواج کے حوالے سے آپؐ کی سیرتِ بے داغ پر دھبے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے[۲۰] اور آپ پر تشدد پسندی اور دین اسلام کو بزور شمشیر قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔[۲۱] معاد اور جنت ودوزخ سے متعلق اسلامی تصورات کو یہودیت وعیسائیت وغیرہ مذاہب سے اخذ کر کے، بے آب وگیاہ اور بنجر زمین کے باسی عربوں کو متاثر کرنے کی غرض سے مادی وحسی صورتوں میں پیش کیے گئے تصورات قرار دیتے ہیں۔[۲۲] جہاد کو عربوں کے ہاں مروج ڈاکہ زنی کے عمل کا تبدیل شدہ نام[۲۳] اور اسلام کی ترقی اور اشاعت کو تلوار پر منحصر بتاتے ہیں۔[۲۴] اسلامی قانونِ تعدد ازواج کو اسلام کی اختراع کہتے[۲۵] اور اس سے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے اور افسانے تراشتے ہیں۔[۲۶] اسلامی قانون کو غیر عقلی، قدیم عربی روایات پر مبنی اور جادوئی وافسانوی قرار دیتے[۲۷] اور اسلامی سزاؤں کو غیر ضروری طور پر سخت ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۲۸] کتب مقدسہ کے نظریہ تخلیق انسانی کو مسترد کرتے ہوئے انسانی ارتقا کا ایسا تصور پیش کرتے ہیں جس میں کسی خدائی منصوبے کو کوئی دخل حاصل نہیں۔[۲۹]

دعوتِ تجدد واصلاحِ مذہب:

مستشرقین اہل اسلام کو تجدد ومغربیت اور اصلاحِ مذہب کی دعوت دیتے اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی فلاح وترقی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ جدید مغربی تہذیب اپنائیں اور اپنے مذہب کو نئے حالات کے

مطابق ڈھالیں۔ان کے نزدیک مسلم معاشروں میں اٹھنے والی ایسی تحریکیں اور اشخاص حوصلہ افزائی اور تعریف وستائش کے مستحق ہیں جو اسلام کو دور جدید کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ استشراقی کاوش کی وضاحت کے لیے چند مستشرقین کے خیالات ملاحظہ ہوں:

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ نئے زمانے کا ساتھ دینے کے لیے اسلام کو اپنی روح میں تبدیلی پیدا کرنا لازم ہے، CraggKenneth لکھتا ہے:

"The modern mind is right in its instinctive awareness that Islam either baptize change into its spirit or renounce its own must Since it cannot do the later, it must somehow do relevance to life. the former."(30)

Cragg محمد کامل حسین کو اس بنا پر داد دیتا ہے کہ اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ خود اسلام ہی سے اسلام کا غیر معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔۳۱ وہ ایک اور مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمان وقت کے مطابق اسلامی احکامات میں از خود تبدیلی کرتے رہے ہیں جس سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کوئی مستقل دین نہیں تو دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو ضرورت کے تحت تبدیل کیا جا سکتا ہے۔۳۲

فلپ کے ہٹی کے مطابق تعدد ازواج، چوری، جوا اور شراب وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین اور سزائیں جدید اسلامی سوسائٹی میں قابلِ عمل نہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مسلم معاشرے میں ان کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ وہ کہتا ہے:

"Modern Islamic society has practically outgrown the Koranic legislation."(33)

کینٹ ویل اسمتھ مصطفیٰ کمال کی اصلاحات کی تحسین کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ترکوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ اسلام اپنے وقت پر پروگریسو تھا مگر اب نہیں۔ اب اسلام اور کسی بھی دوسرے مذہب کو زندہ رہنے کے لیے جدید تعلیم یافتہ انسان کے لیے قابل فہم ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق ڈھالے۔ سمتھ کے نزدیک ایسی اصلاحات کا مطلب عیسائی بننا نہیں بلکہ ماڈرن بننا ہے۔۳۴ سمتھ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل سیکولرازم کو بتاتا ہے۔ وہ کانگرسی مسلمانوں کی تعریف کرتا اور تخلیق پاکستان کو ایک برائی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پاکستان جتنا زیادہ 'اسلامی' ہوگا، ہندوستانی مسلمان اتنے ہی زیادہ غیر محفوظ ہوتے جائیں گے۔۳۵

S.D.Goitein کا کہنا ہے کہ قرآن جدید سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ وہ اسلام کو یہودیت سے مستعار بتاتا اور عربوں کو مقامی زبانیں اپنانے کا مشورہ دیتا ہے۔۳۶

یہودی مستشرق Nadve Safran اسلام کو ناقابل عمل اور غیر حقیقی قرار دیتا ہے۔ وہ رشید رضا کی خلافت سے

متعلق کتاب پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ رشید رضا کو مسلمانوں کے سابقہ تجربات سے کچھ سبق نہ مل سکا۔۳۷ وہ مصری قومیت پسند سید لطفی سے اظہار ہمدردی کرتا ہے جو تجدد کا بہت بڑا نقیب اور اسلام کی بجائے فرعونیوں کی تقلید پر ابھارنے اور مصر میں نئے معتقدات اختیار کرنے اور پرانے اسلامی تصورات کو چھوڑنے کی ضرورت پر زور دینے والا تھا۔۳۸

الغرض مستشرقین سرتوڑ کوشش کرتے ہیں کہ اہل اسلام کو اپنے مذہب کو گردش زمانہ کے مطابق بدلنے اور مغربی تہذیب اور افکار ونظریات اپنانے پر مائل کیا جائے۔ یہاں تک کہ بعض یونیورسٹیوں کے ذمہ باقاعدہ طور پر ایسے اسلامسٹ تیار کرنے کا کام لگایا گیا ہے جو اسلام سے متعلق جدید افکار کے حوالے سے سمجھوتے کی فضا پیدا کریں۔۳۹

اسلامی تاریخ وتہذیب کی تحقیر:

مستشرقین اسلامی تاریخ و تہذیب سے متعلق متعصبانہ ۴۰ انداز نظر اختیار کرتے ہوئے ان کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرتے اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ وہ اسلامی تاریخی واقعات کی خلافِ حقیقت توجیہات پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کا ظہور وفروغ عالمِ انسانیت اور بالخصوص عیسائیت کے لیے فال بد ثابت ہوا۔ اسلام شروع ہی سے یہودیوں اور عیسائیوں کا دشمن بن گیا اور مسلمانوں نے ہمیشہ جارحیت کا ارتکاب کیا۔ مثلاً Thomas Wright ابرہہ کے حملے کے دو ماہ بعد حضورؐ کی پیدائش کو عیسائیوں کے لیے بدترین آفت قرار دیتے ہوئے آپؐ کو مسیحیوں کا سب سے بڑا دشمن گردانتا ہے۔۴۱ فلپ کے ہٹی الزام لگاتا ہے کہ حضورؐ نے موتہ کی جنگ شروع کر کے اسلام اور عیسائیت میں طویل جنگ کی بنیاد رکھی۔۴۲ اسلامی تہذیب کی قدر ومنزلت کو گھٹانے اور اس کی تحقیر کرنے اور عرب مسلمانوں کے تمدنی محاسن کے استخفاف کی خاطر مستشرقین اپنے طلبہ کو تربیت دیتے ہیں کہ وہ تہذیبی و ثقافتی مظاہر کو عربی الاصل ثابت کرنے کی بجائے لاطینی الاصل ثابت کریں تاکہ علم وفکر کے رشتے اور عقیدت ومحبت کے جذبات مسلمانوں سے کٹ کر قدیم لاطینی اور یونانی اقوام کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔۴۳ وہ اسلامی تہذیب اپنانے والوں کو تو رجعت پسندی اور دقیانوسیت کے طعنے دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اسلامی تہذیب سے قدیم تر تہاذیب، جو زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت سے محروم اور سینکڑوں ہزاروں برس سے ماضی کے ملبے تلے دبی ہیں، کے احیا کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو قرآن اور اسلامی علمی ذخیرے سے لاتعلق بنانے کے لیے نئے زمانے کے تقاضوں کا واسطہ دے کر قرآنی عربی زبان اور عربی رسم الخط کی بجائے مقامی زبانوں اور لاطینی رسم الخط اپنانے پر مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۴۴

عالم اسلام میں استشراقی اثر ونفوذ:

مستشرقین کو اپنی متذکرہ صدر مساعی سے جو مقاصد مطلوب تھے، ان میں وہ خاصی حد تک کامیاب رہے۔ عالم اسلام میں اصلاح وترقی کے نام پر تجدد ومغربیت کے جتنے علمبردار پیدا ہوئے، ان کے افکار ونظریات پر استشراقی

چھاپ واضح دکھائی دیتی ہے۔ مسلم دنیا میں اہل اقتدار اور طبقہ امرا کے علاوہ مسلم سکالرز اور دانشوروں کی بھی ایک بڑی تعداد مستشرقین سے متاثر ہے۔ سطور ذیل میں مذکورہ طبقوں میں استشراقی اثر ونفوذ کا مطالعہ مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

اہل اقتدار اور طبقۂ امرا:

عالم اسلام میں جہاں تک اہل اقتدار اور طبقہ امرا کا تعلق ہے، یہ بالعموم مغرب کے زیر اثر ہے۔ یہ لوگ بقول مریم جمیلہ اکثر وبیشتر اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اصلی اسلام کی بجائے مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کا لندن اور امریکہ میں تیار کردہ اسلام کا ایک جدید، لبرل اور ترقی پسند ایڈیشن پیش کیا جائے۔(45) مسلم معاشروں میں مغربی طرز پر اصلاح و ترقی کے خواہاں زعما اور حکمرانوں نے اپنے معاشروں کو مغربی رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ترکی کے قوم پرست لیڈر ضیا گوک الپ پر مغربی اور ملحدانہ اثرات اتنے گہرے تھے کہ وہ کسی بھی قسم کی اچھائی اور برائی کی تمیز کے لیے یورپ کی مکمل نقل کا خواہاں تھا۔ اس نے عالمگیر اخوتِ اسلامی کے تصور کو مغربی تصورِ قومیت سے متصادم قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ترکوں کو اپنی سرزمین کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیے۔ ان کے لیے حب الوطنی سے بڑھ کر کوئی اخلاقیات نہیں۔(46) مصطفیٰ کمال اتاترک، جو عالمِ اسلام کے طبقہ امرا و زعما میں بالعموم ایک آئیڈیل باور کیا گیا ہے، ترکی میں تجدد و مغربیت کا سب سے بڑا نقیب تھا۔ اس نے حصول اقتدار کے بعد اسلام کو ترکوں کی عملی زندگی سے بے دخل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس کے خیال میں ترکی کی ترقی اس وقت ممکن نہ تھی جب تک اسلام کے اثر ونفوذ کو بالکل ختم نہ کر دیا جاتا۔ اس کے خیالات میں اسلام سے متعلق نفرت وحقارت بہت نمایاں ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے:

> "Islam- This theology of an immoral Arab is a dead thing. Possibly it might have been suitable to the tribes in the desert. It is no good for a modern, progressive state. God's revelation! There is no God! There are only the chains by which the priests and bad rulers bound the people down."(47)

چنانچہ مصطفیٰ کمال نے ترکی کو خدا کی بجائے مغربی تہذیب کی شکل میں ایک دیوتا عطا کیا۔ اس دیوتا کا وہ خود بھی وفادار حواری اور پر جوش پجاری تھا۔ وہ مغربی تہذیب کو ملک کے چپے چپے میں رائج دیکھنے کا تمنائی تھا۔ اس تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں چمک اور اس کے چہرے کی طمانیت دیدنی ہوتی۔(48) وہ کہا کرتا کہ عالم اسلام کی کم نصیبی اور پس ماندگی کی اصل وجہ خود کو نئی، روشن اور بلند پایہ مغربی تہذیب میں فٹ نہ کر سکنا ہے۔ ہم جو اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں تو اسی باعث کہ اب ہماری ذہنیت بدل رہی ہے۔(49) لہٰذا اس نے ترکی کو سیکولر سٹیٹ قرار دے دیا۔ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ قرار پایا۔ خلافت کا ادارہ ختم کر دیا گیا۔ شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی

شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے مغربی قوانین نافذ کر دیے گئے۔ ہر وہ چیز جس کا کوئی تعلق اسلام سے بنتا تھا، حرف غلط کی طرح مٹا ڈالی گئی۔ عربی کی جگہ لاطینی رسم الخط جاری کر دیا گیا۔ اور تو اور عربی میں اذان تک ممنوع قرار پا گئی۔ مختصر یہ کہ ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو تھوڑ پھوڑ کر ختم کر دیا گیا اور قوم کا نقطہ نظر یکسر بدل ڈالا گیا۔۵۰

استشراقی فکر نے صرف ضیا گوک الپ اور مصطفی کمال یا دیگر ترک زعما ہی کو اپنی گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کے اثرات تقریباً عالم اسلام کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ، مقتدر اور صاحب اختیار طبقہ تک ممتد دکھائی دیتے ہیں۔ عالم اسلام میں جہاں بھی کوئی ملکی تعمیر و ترقی کے لیے اٹھتا ہے، بالعموم تجدد و مغربیت اور کمالی طرز کی اصلاحات ہی کو مقصود و منتہا سمجھتا ہے۔ ۱۹۵۲ء کا مصری انقلاب اپنی بنیادوں میں مغربی زاویہ نگاہ لیے ہوئے آیا۔ اس کا مقصد جمال عبدالناصر کے خیال میں یہ تھا کہ مصری عربی معاشرہ ایک ایسی سوسائٹی میں بدل جائے جس کے افراد اپنے اجتماعی تعلقات، اخلاقی قدروں اور حقوق وغیرہ سے متعلق ایسا نقطہ نظر اختیار کریں جو جدید فکر سے ہم آہنگ ہو۔ صدر ناصر کے پیش کردہ منشور سے اگر مصر اور عرب لفظ نکال دیں تو وہ کسی بھی سیکولر سوشلسٹ سٹیٹ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے اپنے زمانے میں ایران کو بھی ترکی کے نقش قدم پر مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں کیں۔ وہ ایران سے مذہبی رجحان کو پوری طرح مٹانا اور اسلامی تشخص کو ختم کرنا چاہتا تھا، تاہم اس کی متشددانہ پالیسیاں ۱۹۷۴ء کے شیعی اسلامی انقلاب پر منتج ہوئیں اور شاہ کو ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انڈونیشیا میں صدر احمد سوئیکارنو کی رہنمائی میں بھی حکمران طبقے نے ملک کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ترکی کے نقش قدم پر لے جانے کی کوشش کی۔ انڈونیشیا میں اگرچہ مغربیت کے خلاف ردعمل بھی ظاہر ہوتا رہا اور اسلامی تحریکیں اٹھتی رہیں، تاہم متجددانہ سرگرمیاں ہنوز جاری ہیں۔

تیونس میں حبیب بورقیبہ نے ۱۹۵۷ء میں صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی کمالی اصلاحات اور تجدد کا آغاز کر دیا۔ تیونسی صدر مسیحی مشنریوں اور مستشرقین کے خیالات سے حد درجہ متاثر ہوا۔ اس نے قرآن میں تضادات ثابت کرنے کی کوشش کی اور قرآنی قصوں کو خرافات کا مجموعہ قرار دیا۔ الجزائر کے ۱۹۶۳ء میں منتخب ہونے والے صدر احمد بن بلا جمال عبدالناصر کے دوستوں اور ہم خیالوں میں سے تھے۔ انہوں نے صدر ناصر ہی کی طرز پر دینی ذہن کو محدود اور حکومت سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ صدر کرنل معمر قذافی نے ۱۹۶۹ء میں زمام اقتدار سنبھالی اور بعض شرعی حدود کا نفاذ کیا تو مغربی پریس میں ان کو ایک کٹر مذہبی شخصیت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ مستشرقین سے رابطہ کی بنا پر ان کا انقلابی دائرۂ فکر سیاست سے ہٹ کر دینی فکر میں انقلاب تک وسیع ہو گیا۔ انہوں نے یہ تصور قائم کر لیا کہ وہ اسلام جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، اس انقلابی عہد کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کو اپنے انقلابی ذہن کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ وہ اسلام کو عبادت تک محدود کر دینا چاہتے تھے۔ عبادت اور عام زندگی کے بارے میں ان کا تصور تیونسی صدر حبیب بورقیبہ سے بہت قریب ہے۔ حبیب بورقیبہ نے قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ معمر قذافی نے حدیث کو تختۂ مشق بناتے ہوئے اسے مشکوک اور ناقابل اعتماد ثابت کرنے کی کوشش کی۔ الغرض قذافی بھی پورے زور شور سے تجدد و مغربیت کے راستے پر ہو لیے۔۵۱ لمحہ موجود تک تمام مسلم قیادت تجدد و مغربیت ہی کو

کامیابی و کامرانی کا واحد راستہ سمجھتی ہے اور اس کلیے میں شاید ہی کوئی استثنا نظر آئے۔

جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز:

مسلم دنیا کے جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز کی بھی ایک قابل لحاظ تعداد مستشرقین کے زیر اثر ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد نے یورپ کی یونیورسٹیوں میں مغربی اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اپنے اساتذہ کے تصورات ونظریات اپنا لیے۔۵۲ ان کے نزدیک بھی مسلمانوں کی ترقی و کامرانی تجدد و مغربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضورؐ اور خلافت راشدہ کے زمانے تک اسلام ایک لبرل، ترقی پسند اور عقلیت پسند مذہب تھا، لیکن بعد میں فقہا اور ملاؤں نے اسے جامد اور متحجر دین بنا دیا۔ چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نام نہاد علما و مفسرین ہی ہماری تمام تر حرماں نصیبی اور پسماندگی کا اصل سبب ہیں۔ ایک دانشور نے لکھا ہے کہ سعودی عرب سے لے کر موریطانیہ تک اور انڈونیشیا سے لے کر پاکستان تک ہر مسلم ملک میں اہل اسلام زیست کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ملا مسلمانوں کے تنزل واد بار کو مغربی اثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ جہاں تک ہنوز مغربی اثرات نہیں پہنچے، وہاں اب بھی اسلام کی گھناؤنی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ کیا اس بات سے انکار کی کوئی معقول وجہ ہے کہ سب سے پسماندہ ممالک وہ نہیں جہاں یورپی تہذیب کی بادنسیم کے جھونکے نہیں پہنچے بلکہ بدنصیب وہ بلاد وامصار ہیں جہاں زمام اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں ہے۔ انہی کور چشموں کے سبب اسلام جمود کا شکار رہا اور اسے وقت کے مطابق ڈھلنے سے روکا جاتا رہا۔ عالم اسلام کو نحوستوں اور لعنتوں سے نجات دلانے کے لیے ہمیں قرآن کی ان روایتی تعبیرات کو بھول جانا ہوگا جو راسخ العقیدہ ملاؤں نے صدیوں سے مسلط کر رکھی ہیں۔ جس دن ہم اپنے طور پر قرآن کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے، اس دن ہم اسلام کو بچانے نیز عورتوں کو چودہ سو سال کی محرومی و بدنصیبی سے نکال کر آزادی و مساوات کی روشنی میں لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لوگ مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ محبت و مسرت سے مذہب پر عمل کریں گے۔ زندگی سے اکتاہٹ اور بوریت ختم ہو جائے گی۔ نماز بھی ہو گی اور کھیل تماشا بھی۔ یوں ہم ایک دل پسند ہیرے کی طرح اسلام کی خوبصورت تعبیر ملاحظہ کر سکیں گے۔۵۳ جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز مستشرقین کی ہم نوائی میں اس تصور کے حامی ہو گئے کہ ترقی و تبدیلی، جو کہ قانون ارتقا کا جزو لاینفک ہے، کو اسلام پر بھی لاگو ہونا چاہیے اور قدیم اسلام کی جگہ ایک جدید لبرل اسلام سامنے آنا چاہیے:

> "Just as the Martin Luther broke down the barriers of dogma in Christianity and Moses Mendelssohn sought to bring a progressive reformed version of Judaism to the Jews, so Islam must also be recognized and given its place the by the Orthodox."(54)

مصر کے معروف دانشور اور سکالر ڈاکٹر طہ حسین نے مصریوں کو مغربی تہذیب اپنانے کی پر زور دعوت دی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مصری زندگی اپنے مظاہر کے اختلاف کے ساتھ خالص مغربی ہے۔ لہٰذا مصر کو مشرق کا حصہ اور مصری فکر کو

ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر کہنا کم عقلی اور سطحیت ہے۔ ہمیں اہل یورپ کے طریقہ پر چلنا چاہیے اور انہی کی سیرت و عادات کو اختیار کرنا چاہیے۔ درحقیقت عصر حاضر میں ہمیں یورپ سے ایسا رابطہ اور قرب چاہیے جو روز بروز بڑھتا رہے یہاں تک کہ ہم لفظ اور معنی حقیقت اور شکل ہر اعتبار یورپ کا ایک حصہ بن جائیں۔۵۵؎ ڈاکٹر طہٰ حسین عربی ادب کو دینی علوم کے تعلق سے یکسر آزاد کر دینے کے حامی ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں تحقیق پر، قومی احساسات اور مذہبی رجحانات ومیلانات کو بالائے طاق رکھ کر اس فلسفیانہ طریقہ کا اطلاق کرنا چاہتے ہیں جس کی ابتدا ڈیکارٹ نے کی تھی۔ ۵۶؎ ڈاکٹر صاحب اس بات سے انکاری ہیں کہ کعبہ کی بنیاد ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام نے رکھی تھی، بلکہ ان کے نزدیک یہ دونوں شخصیتیں کوئی تاریخی وجود ہی نہیں رکھتیں۔ آپ کے خیال میں قرآن کی سات مشہور قرأتیں بھی حضورؐ سے ماخوذ نہیں ہیں۔۵۷؎

پاکستانی اسکالر اور دانشور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نزدیک مسلمانوں کو مغربیت اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ مغربی تہذیب اپنانے کے باوجود مسلمان مکمل مسلمان رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ بعض مسلم اور غیر مسلم اسلام کو ایک مخصوص طرز زندگی سمجھتے ہیں جس میں مشکل ہی سے کوئی تبدیلی ممکن ہے، حالانکہ اسلام کے بہت سے غیر مسلم طالب علم مثلاً پروفیسر گستاف اے وان گرونیبام کے نزدیک اسلام دراصل کسی تہذیب وثقافت کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت کے فراہم کردہ کچھ اصول وضوابط کا نام ہے جس میں وقت اور ضروریات سے توافق وتطابق کی گنجائش پائی جاتی ہے۔۵۸؎ ڈاکٹر فضل الرحمٰن قرآن میں بیان کردہ قصص انبیاء کی تفصیلات کو بعینہ وحی خداوندی ماننا ضروری خیال نہیں کرتے۔۵۹؎ ان کے مطابق مسلمانوں میں پانچ نمازوں کا تصور حدیث کی بعد میں اٹھنے والی لہر کا نتیجہ ہے جبکہ قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں۔۶۰؎

چونکہ حدیث اور جدید مغربی تہذیب کو یکجا کرنا ممکن نہیں اور بقول علامہ محمد اسد حدیث کو نظر انداز کر کے قرآنی تعلیمات کو آسانی سے مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے،۶۱؎ لہٰذا حدیث پر اعتراض جدید تعلیم یافتہ مسلم دانشوروں کے ہاں ایک فیشن بن گیا۔ وہ بڑے زور وشور سے حدیث کو ناقابل اعتبار روایات پر مبنی اور اسلام کا غیر ضروری حصہ قرار دینے لگے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نزدیک حدیث ایک تاریخی افسانہ ہے جس کا مواد مختلف ذرائع سے اکٹھا کیا گیا۔۶۲؎ سنت محض ابتدائی مسلم سوسائٹی کی عملی زندگی کا لفظی اظہار ہے اور ایک زندہ معاشرے کے طرز عمل میں وقت کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ بنا بریں حدیث کوئی دائمی نمونہ عمل نہیں۔۶۳؎ غلام احمد پرویز بھی احادیث کو فرضی اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق آج احادیث کے نام سے ہمیں جو کچھ ملتا ہے، یہ محض مسلمانوں میں مروج باتیں تھیں جن کو غلط طور پر حضور کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں امام بخاری اور دیگر حضرات نے ان باتوں کو جمع کر کے کتب احادیث کی شکل دے دی۔۶۴؎ مستشرقین سے متاثر ہو کر اور بھی متعدد مسلم دانشوروں نے حدیث کا انکار کیا ہے۔۶۵؎

حوالہ جات وحواشی

1. See: "Supernatural Religion", published by Longman, London,1874, Vol. II., pp. 491-492.

2. See for detail: Kant, Immanuel, "Religion within the Limits of Reason Alone", New York, 1960.

3. Vide, Muier, William, "Muhammad and Islam", London Religion Trackt society, N.D., pp. 22-24. Mohammad Khalifa, "The Sublime Quran and Orientalism", London & New York, 1983, p.112.

سرسید احمد خاں، سیرت محمدی، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۳۲۔۲۳۳۔

4. Watt, W. Montgomery, "Muhammad: Prophet and Statesman", Oxford University Press, 1958, pp.14-17.

5. Hume, David, "Enquiries concerning the Human Understanding", edited by L.A. Selly, Bigge 2nd ed; Oxford, 1893, p.119.

6. Ibid.p.114.

7. Lawton, J.S. Dr., "Miracles and Revelation", London, 1959, p. 84.

8. Ibid. p. 100.

9. "Supernatural Religion", Op. Cit.. Vol.II. p.486.

10. Bashir Ahmad Siddiqi, Dr. Professor, "Modern Trends in Tafsir Literature-Miracles", Lahore, Facilty of Islamic and Oriental Learning, University of the Punjab, 1988, p.8.

11. Sale, George, "The Koran", New York, 1890, p .50.

12. Watt. W. Montgomery, Op. Cit. p. 39. "Encyclopaedia of Religion and Ethics|, edited by James Hastings, New York, Charles Scribner's Sons,1930, Vol. X, p. 540. Brown, Daniel, "A New Introduction to Islam", United Kingdom, Blackwell, 2004, p. 65. "The New Encyclopaedia Britannica", 15th edition,1986, Vol. 22, p. 9. Bell, Richard, "Introdution to the Quran", Edinburgh University Press, 1963, pp.161-163.

13. Jeffery, Arthur, "Muhammad and his Religion", Indiana Polus, 1979, p. 47.

14. Idem, "Materials for the History of the Texst of the Quran", Leiden, E. J. Brill, 1937, pp. 3-10.

15. Palmer, E. :The Koran with an Introduction" by R Nicholson, London,

Oxford University press,1928,p,53.

۱۶۔ رحمت اللہ کیرانوی، بائبل سے قرآن تک (مترجم، اکبر علی) کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۳۸۹ھ، جلد دوم، ص ۳۶۵۔

17. Goldziher, Ignaz, "Muslim Studies", Translated by C.R.Barber and S.M.Stern, Chicago; IL Aldine Publishing, 1973, Vol.II, 18. Guillaume, Alferd, "The Traditions of Islam", Beirut, Khayats, 1960, p.15.

18. Tor Andrae, "Muhammasd, The man and his Faith", translated from German by Theophil Menzel, London,George Allen and Unwin,1956, pp.143, 191.

19. Muir, William, Op.Cit.p.47. Watt, W. Montgomery, Op. Cit. p.14. Gib, H.A.R, "Mohammemanism", London, Oxford, 1964, p. 25.

20. Muir, William, Op,Cit.p.126.

21. Tor Andrae, Op. Cit. p.147. Sale, George, Op. Cit. p. 38. Watt, W. Montgomery,Op.Cit.p.105.

22. Bell, Richard, Op.Cit. pp.156-161. Muir,William, "The life of Mahomet", London, Smith, Elder & Co.1877, Vol.2.pp.141-145.

23. Watt, W. Montgomery, Op. Cit. p.108.

24. Tor Andrae, Op.Cit. p.147. Sale, George,Op. Cit. p.38. Menezes,F.J.L, "The Life and Religion of Mohammad, the Prophet of Arabian Sands", London,1911, pp. 63,165. Wollaston, A. N, "The Religion of the Koran", Lahore, Sh. Muhammad Asharf, 1965, p.27.

25. Watt, W. Montomery, "Muhammad at Madina", Karachi, Oxford University Press, 1981, p.277.

26. Mohammad Khalifa, Op.Cit. p.157.

27. Shacht, J. "Introduction to Islamic Law", Oxford, 1964,p.202.

28. Coulson, N. J., "Conflicts and Tentions in Islamic Jurisprudence", London, The University of Chicago press, N.D., p.78. "Encyclopedoia of Crime and Justice", New York, The Free Press, 1983, Vol.1, p.194.

29. "The New Encyclopaedia Britannica", Chicago, 1986, Vol.18, pp.996-997.

30. Kenneth Cragg, "The Call of Minaret", New York, Oxford University Press, 1956, p.17.

31. Idem, "Islamic Surveys-3: Counsels in Contemporary Islam", Edinburgh, Edinburgh University Press,1965,p.107.

32. Idem, "The Dome and the Rock: Jerusalem Studies in Islam", S.P. C. K; London, 1964,p.135.

33. Hitti, Philip. K, "Islam and the West", New Jersey, 1962, p.21.

34. Smith, Welfred Cantwell, "Islam in Modern History", New Jersey, Princeton University Press, 1957, pp.178,204.

35. Ibid. pp. 273,274.

36. Goitien, S. D.. "Jews and Arabs: Their Contacts through the Ages", New York, Schockan books, 1955, pp.129-130.

37. Nadave Safran, "Egypt in Search of Political Community: An Analysis of the Intellectual and Political Evolution of Egypt", 1804-1952. Cambridge, Havard University Press, 1961,p.80.

38. Ibid,pp.95-97.

39. Vide, Muhammad Imran Moulana, "Distortions about Islam in the West", Lahore. Malik Siraj & Sons,1979,p.13.

۴۰۔ اسلامی تاریخ وتہذیب سے متعلق استشراقی تحریروں کے مبنی برتعصب وعناد ہونے کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود بہت سے مغربی زعماء اور اہل قلم نے اس ضمن میں استشراقی تحرورں کو مسلمانوں کیخلاف صلیبی جنگوں کے تسلسل کا نام دیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: السباعی، محمد مصطفیٰ، ڈاکٹر، السنۃ و مکانتھا فیالتشریع الا سلامی، القاہرہ، مکتبہ دارالعروبہ شارع الجمھوریہ، ۱۹۶۱، ص ۳۲۔

Loon Handrik Van, "Tolerance", New York, The Sun Dial Press, 1939, p.114.

41. Wright, Thomas, "Early Christianity in Arabia", London, 1855, p,152.

42. Hitti, P. K. "History of the Arabs", London , Macmillan, 1968, p.147.

مذکورہ حوالے سے J.J.Saunders بھی ہٹی کا ہمنوا ہے۔ دیکھیے:

Saunders, "A History of Medievel Islam", London, Routledge and Kegan Paul, 1965, p. 14.

۴۳۔ حامدی، خلیل احمد (مرتب)، نظام اسلام مشاہیر اسلام کی نظر میں، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۳، ص ۴۵۲۔

۴۴۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱، ص ۲۶۵۔۲۶۶۔

45. Maryam Jameelah, "Islam and Modernism", Lahore, 1977, p.239.

46. Ziya Gokalp, "Turkish Nationalism and Western Civilization", New

York, 1959, pp. 60,271,302.

47. Armstrong, H.G, "The Gray Wolf", New York, Capricon Books, 1961, pp.199-200.

48. Irfan Orga Margarate, "Ataturk", London, 1962, p.273.

49. Ibid. pp.237,238,297.

50. Ibid. p. 280.

ترکوں کو اپنی اسلامی شناخت سے دور ہٹانے، اسلامی اتحاد کو ضرب لگانے کے خاطر انہیں اپنی اصلی قومیت کا احساس دلانے کے لیے، جس کا دارامدار نسل اور مادری زبان پر ہے، اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ وہ ترک پہلے ہیں اور مسلمان بعد میں، مستشرقین کی کاوشیں کلیدی کردار کی حامل ہیں۔ ان استشراقی کوششوں کے قدرے تفصیلی مطالعہ کے لیے مثال کے طور پر دیکھئے:
اکمل ایوبی، ڈاکٹر، مستشرقین اور تاریخ ترکی، در، ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۱۔۲۶۰۔

۵۱۔ عالم اسلام کے حکمران طبقہ کے استشراقی و مغربی فکر سے تاثر کے نتیجہ میں تجدد و مغربیت کی طرف راغب ہونے سے متعلق یہ نکات مولانا ابوالحسن علی ندوی کی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، سے اخذ کے کیے گئے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں مذکورہ کتاب کے صفحات ۱۶۲۔۲۲۵۔

52. See for detail: Smith, Wilferd Cantwell, Op.Cit .pp.55-73.

53. Jafri, Fareed S, "The Need for a Re-evaluation of Islam in Pakistan", the Pakistan Times Lahore, August 11,1967.

54. Fyzee, Asaf A, "A Modern Approach to Islam", Bombay, Asia publishing House, 1963, p.107.

۵۵۔ طہ حسین، ڈاکٹر، مستقبل الثقافة فی مصر، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۱۔۴۴۔

۵۶۔ وہی مصنف، الادب الجاهلی، قاہرہ، ۱۹۲۷ء، ص ۶۵۔۶۸۔

۵۷۔ چارلس سی آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں (مترجم، عبدالمجید سالک)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۲۔ص ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۴۔

58. Fazlu-Rahman, Dr, "What is Islamic Culture?", The Light, Lahore, March 24,1973, p.5.

59. Idem, Weidenfield and Nicholson, London, 1996, p.16.

60. Ibid.p.36.

61. Muhammad Asad, "Islam at the Cross Roads:, Lahore, Arafat Publications, 1955,pp.112-130.

62. Fazlu-Rahman, Dr, Weidenfield and Nicholson, Op.Cit. p.14.

63. Ibid. p.56.

۶۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم، لاہور، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۱ء، ص ۳۴۳۔۳۵۳۔